ہو نہ یہ پھول، تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو — چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو — بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

دشت میں دامنِ کہسار میں میدان میں ہے — بحر میں، موج کی آغوش میں طوفان میں ہے
چین کے شہر مراقش کے بیابان میں ہے — اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے

چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ رفعنالك ذکرك دیکھے

مردمِ چشمِ زمیں، یعنی وہ کالی دنیا — وہ تمہارے شہدا پالنے والی دنیا
گرمیِ مہر کی پروردہ ھلالی دنیا — عشق والے جسے کہتے ہیں بلالی دنیا

تپش اندوز ہے اس نام سے پارے کی طرح
غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تارے کی طرح

عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تری — مرے درویش، خلافت ہے جہانگیر تری
ماسوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری — تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

(ڈاکٹر علامہ اقبال)

مسلم عائلی قوانین کی دفعہ ۱۲ کی شرعی حیثیت

ڈاکٹر عبدالمالک ☆

جولائی ۱۹۶۱ء میں صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے ''مسلم عائلی قانون آرڈیننس مجریہ ۱۹۶۱'' نافذ کر دیا۔ اس آرڈیننس کے جہاں اور کئی مقاصد تھے ان میں سے ایک مقصد یہ تھا کہ بآسانی طلاق دینے اور بلاوجہ ایک سے زائد شادی کرنے والے اکثر مغرب سے مرعوب تھے جنہوں نے شریعت اسلامیہ کی روح اور اس کے مزاج کو قطعاً پیش نظر نہیں رکھا۔ یہی سبب ہے کہ یہ قانون اپنی منظوری سے لے کر اب تک مذہبی اور دینی حلقوں میں ہدف تنقید رہا ہے۔ لہٰذا اس قانون میں اگر چند جزوی ترمیمات کر دی تو پاکستانی معاشرے پر اس کے خوشگوار اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔

اس آرڈیننس کی جو دفعات قرآن وسنت سے متصادم ہیں اور دستور پاکستان کی روح کے خلاف ہیں ان میں سے دفعہ نمبر ۱۲ بھی ہے، جس کے تحت ۱۸ سال سے کم عمر کے لڑکے اور ۱۶ سال سے کم عمر لڑکی کا نکاح اور شادی کرنا جرم مستلزم سزا ہے۔ یہ دفعہ چونکہ قرآن وسنت سے متصادم ہے اس لیے یہ اصلاح طلب ہے، تفصیلات حسب ذیل ہیں۔

قرآن وسنت کی رو سے نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح جائز ہے، اس پر امت کا اجماع ہے۔ نیز نکاح کے مقاصد، ولایت وکفاءت، خیار بلوغ اور صغر سنی کے نفقہ کے احکامات وغیرہ سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ فقہ اسلامی میں قبل از بلوغ نکاح نہ صرف جائز ہے بلکہ بعض مخصوص حالات میں بعض وسیع مصلحتوں کے پیش نظر، صغیر وصغیرہ کے مفاد کی خاطر، شریعت نے اسے لازمی قرار دیا ہے۔

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ

مقاصد نکاح

کسی قانون کو سمجھنے کے لیے، اس قانون کے مقاصد سے آگاہی ضروری ہے کیونکہ قانون میں سب سے اہم چیز اس کی مقصدیت و مصلحت ہوتی ہے، قانون محض پتھر نہیں کہ اس کی اطاعت بہر صورت ضروری قرار دی جائے بلکہ قانون کی ہر دفعہ مصلحت پر مبنی ہوتی ہے۔ حصول نفع اور دفع ضرر کی خاطر قانون وضع کیا جاتا ہے کیونکہ قانون کا مقصد عوام الناس کی فلاح و بہبود ہے۔ اسی طرح کوئی دفع وضع کرتے وقت معاملے کے سارے پہلو پیش نظر رکھنا بھی لازمی ہے، الغرض دیگر احکامات کی طرح نکاح کے بھی بعض خاص مقاصد ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

i- انسانی اخلاق کا تحفظ

نکاح ہی کے ذریعے انسانی اخلاق کی حفاظت ممکن ہے۔ یہی سبب ہے کہ قرآن حکیم میں نکاح کو ''احصان'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب قلعہ تعمیر کرنا ہے یعنی نکاح کے ذریعے مرد اور عورت کے اخلاق کی حفاظت ممکن ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ واحل لكم ما ورآء ذلكم ان تبتغوا باموالكم محصنين غير مسافحين ﴾(١)

''اور ان کے علاوہ جتنی عورتیں ہیں انہیں اپنے اموال کے ذریعے حاصل کرنا تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے۔ بشرطیکہ حصار نکاح میں ان کو محفوظ کرو نہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو''

نکاح نظر اور شرم گاہ کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ فحاشی و عریانی کا خاتمہ تب ہوگا جب نکاح کو عام رواج دیا جائے گا۔ علی احمد الجرجاوی نے فلسفہ نکاح یوں بیان کیا ہے:

''فالنكاح مانع من النظر بشهوة إلى غير ما هو حل له في الغالب . بحيث لو خالف هذه الفضيلة لجاء الضرر من وجهين . اكتسابالرزيلة وايجاد العداوة بينه وبين ممن يهتك عرضه بالزنا والفسق . وايجاد هذا مخل بنظام العالم كما لا يخفى وقد قال صلى الله عليه وسلم (من تزوج فقد أحرز شطر دينه

فليتق الله في الشطر الآخر) وقال أيضا : (يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج فانه أغض للبصر وأحصن للفرج) وقال : (إذا أتاكم من ترضون دينه و أمانته فزوجوه الا تفعلوا تكن فتنة في الارض و فساد كبير) ''(٢)

پس نکاح اس لیے کیا جاتا ہے تا کہ ہر طرح کی فحاشی و عریانی کا خاتمہ ہو اور کسی قسم کی بد اخلاقی رونما نہ ہو اور زمین میں فتنہ و فساد باقی نہ رہے۔

علاوہ نکاح کے دیگر اہم مقاصد حسب ذیل ہیں۔

- ii- اسلامی معاشرے کا قیام
- iii- نسلِ انسانی کی بقا و افزائش
- iv- دینی اور معاشرتی مصالح

آرڈیننس ہذا دفعہ نمبر ۱۲ کی رو سے نہ صرف صغر سنی کا نکاح ممنوع ہے بلکہ بلوغت کے بعد بھی لڑکے اور لڑکی کے نکاح کے لیے عمر کی قید لگائی ہے جو اسلامی قانونِ نکاح کے مقاصد کے خلاف ہے۔ چنانچہ ذیل میں ان چند فقہی احکامات پر بحث ہوگی جن کا تعلق صغر سنی کے نکاح سے متعلق ہے۔

صغر سنی کا نکاح

نابالغ لڑکے یا لڑکی کے نکاح کی شریعت نے بعض وسیع مصلحتوں کے پیش نظر اجازت دی ہے۔ ان کا نکاح ان کے ولی کی اجازت سے منعقد ہوتا ہے۔ ولی ہی ان کا نکاح کروانے کا حق و اختیار رکھتا ہے۔ ان کی جانب سے ایجاب و قبول بھی ان کے ولی ہی کر سکتے ہیں۔ الغرض قرآن وسنت کے جن صریح نصوص سے کم سنی کی شادی کا جائزہ ہونا ثابت ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿والـلآئـي يئسن من المحيض من نسآئكم إن ارتبتم فعدتهن ثلاثة اشهر و اللآئي لم يحضن ﴾(٣)

"اور وہ عورتیں جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں ان کی عدت تین مہینے ہے اور اسی طرح ان کی جنہیں ابھی حیض نہیں آیا"

اس آیت کریمہ میں صریح الفاظ میں نابالغ لڑکیوں کی عدت کا تذکرہ ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ قرآن کریم بلوغت سے پہلے نہ صرف نکاح کو بلکہ رخصتی کو بھی جائز قرار دیتا ہے۔

کم سنی کے نکاح سے متعلق نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے:

"عن عائشة ان النبى ﷺ تزوجها و هى بنت ست سنين و بنى بها و هى بنت تسع سنين فقال هشام : و أنبئت أنها كانت عنده تسع سنين"(۴)

"حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ ان سے نکاح فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جبکہ ان کی عمر چھ برس کی تھی اور رخصتی نو سال کی عمر میں ہوئی۔ ہشام کا کہنا ہے کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ آپ کے پاس نو سال تک رہیں"

اسی طرح مسلم شریف میں ہے:

"عن عائشة قالت : تزوجنى رسول الله ﷺ لست سنين ، وبنى بي و أنا ابنة تسع سنين"(۵)

"حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ مجھ سے عقد کیا رسول اللہ ﷺ نے جب میں چھ برس کی تھی اور مجھ سے ازدواجی تعلق قائم کیا جب میں نو برس کی تھی"

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے علاوہ حضور ﷺ نے حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی حضرت امامہ کا نکاح اس وقت کروایا جب وہ نابالغ تھیں اور جب وہ بالغ ہوئیں تو ان لیے کے خیار بلوغ کو باقی رکھا۔(۶)

صغیر اور صغیرہ کے نکاح پر ائمہ امت کا اجماع ہے۔ ہدایہ میں ہے:

"و يجوز نكاح الصغير و الصغيرة اذا زوجها الولى بكرا كانت الصغيرة أو ثيبا و الولى هو العصبة و مالك رحمه الله يخالفنا فى غير الأب ، و الشافعى

رحمه الله فى غير الأب و الجد وفى الثيب الصغيرة أيضا، وجه قول مالك ان الولاية على الحرة باعتبار الحاجة و لا حاجة هنا لا نعدام الشهوة الا أن ولاية الأب ثبتت نصا بخلاف القياس ؛ و الجد ليس فى معناه فلا يلحق به"(۷)

"چھوٹے نابالغ لڑکے و لڑکی کا نکاح جائز ہے بشرطیکہ دونوں کی شادی ان کا ولی کروائے خواہ لڑکی کنواری ہو یا شوہر دیدہ۔ ولی یعنی سرپرست سے مراد عصبہ ہے (یعنی وہ لوگ جو میراث میں بقیہ مال لینے کے مستحق ہوتے ہیں جیسا کہ بیٹا، باپ، بھائی اور چچا وغیرہ) امام مالکؒ باپ کے علاوہ دوسرے ولی یعنی دادا، بھائی وغیرہ کو یہ حق دینے میں ہماری مخالفت کرتے ہیں اور امام شافعیؒ باپ دادا کے علاوہ دوسرے ولی (یعنی بھائی اور چچا وغیرہ) کے بارے میں اور نابالغ شوہر رسیدہ لڑکی کی ولایت کے بارے میں بھی اختلاف کرتے ہیں۔ امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ آزاد لڑکی کے نکاح کرانے کا اختیار و سرپرستی (نکاح کی) ضرورت کی وجہ سے ہے اور چھوٹی لڑکی میں شہوت نہ ہونے کی وجہ سے (نکاح کی) ضرورت نہیں ہے (اس لیے ولایت بھی ثابت نہیں ہے) مگر یہ کہ باپ کے لیے ولایت و اختیار قیاس کے مخالف حدیث سے ثابت ہے (حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عائشہ کا نکاح جو نابالغہ تھیں نبی کریم ﷺ سے کر دیا تھا اس لیے باپ کے لیے تو ولایت ثابت ہے) لیکن دادا باپ کے درجہ میں نہیں ہے چنانچہ دادا کو حکم میں باپ کے ساتھ نہیں ملائیں گے۔

علامہ ابو بکر جصاصؒ نے محمد بن اسحاق کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت ام سلمہؓ کے صاحبزادے سلمہؓ کا نکاح خود رسول اللہ ﷺ نے بہت چھوٹی عمر میں حضرت حمزہ کی چھوٹی بچی سے کر دیا تھا۔ چنانچہ احکام القرآن میں ہے:

"فزوجه رسول الله ﷺ بنت حمزة و هما صبيان صغيران فلم يجتمعا حتى ماتا"(۸)

"رسول اللہ ﷺ نے سلمہ کا نکاح حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی سے کرا دیا، اس وقت یہ دونوں کم سن تھے پھر وہ دونوں اکٹھے نہیں ہوئے یہاں تک دونوں کا بچپن میں ہی انتقال ہوگیا"۔

پس قرآن وسنت کی نصوص سے یہ ثابت ہے کہ صغرسنی کا نکاح اور شادی جائز ہے نیز آثار صحابہؓ سے بھی یہ بات ثابت ہے۔ یہی سبب ہے کہ جمہور کے نزدیک کم سن لڑکے اور لڑکی کا نکاح کرادیا جائے تو درست ہوجاتا ہے، چنانچہ ابوبکر جصاصؒ ایک آیت کے تحت لکھتے ہیں:

"وفی هذه الاية دلالة ایضاً علی أن للأب تزویج ابنته الصغیر من حیث دلت علی جواز تزویج سائر الاولیاء اذکان هو أقرب الأولیاء ولا نعلم فی جواز ذلک خلافاً بین السلف والخلف من فقهاء الامصار"(۹)

"اس آیت سے اس بات پر بھی اشارہ ملتا ہے کہ باپ کو اپنی صغیرہ بیٹی کا عقد کرانے کا اختیار ہے اس لیے کہ اس آیت کریمہ سے تمام سرپرستوں کے لیے نکاح کرانے کا جواز معلوم ہوتا ہے تو باپ کو جو تمام اولیاء میں قریب ترین ولی ہے اس کا بدرجہ اولیٰ اختیار ہوگا، اور ہمیں اس مسئلے میں سلف اور خلف کے فقہاء میں سے کسی خطہ کے فقیہ کا کوئی اختلاف نظر نہیں آیا"۔

ولایت

سوال یہ ہے کہ نابالغ لڑکے اور لڑکی کے نکاح کا اختیار وحق کس کو ہے؟

جمہور فقہاء امت جو صغیر اور صغیرہ کے نکاح کے جواز کے قائل ہیں۔ اس بارے میں ان کی رائے مختلف ہے۔ مالکی اور حنبلی فقہاء کے نزدیک صرف باپ، باپ کا وصی، حاکم ان تینوں ہی کو ان دونوں کا نکاح کرادینے کا حق حاصل ہے۔(۱۰)

شوافع کے خیال میں باپ اور دادا کو ولایت نکاح کا حق حاصل ہے جبکہ احناف کے نزدیک باپ اور دادا کے علاوہ دیگر عصبات کو بھی نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح کرادینے کا حق

ہے۔(۱۱) چنانچہ ہدایہ میں اس مسئلے کی تصریح یوں کی گئی ہے:

"وینعقد نکاح الحرة العاقلة البالغة برضاها و ان لم یعقد علیها ولی بکرا کانت أو ثیبا عند أبی حنیفة و أبی یوسف) رحمهما الله (فی ظاهر الروایة و عن أبی یوسف) رحمة الله (أنه لا ینعقد الابولی، و عند محمد ینعقد موقوفاً) و قال مالک و الشافعی رحمهما الله : لا ینعقد النکاح بعبارة النساء أصلاً لأن النکاح یراد لمقاصده والتفویض الیهن مخل بها الا أن محمداً رحمه الله یقول: یرتفع الخلل باجازة الولی، ووجه الجواز أنها تصرفت فی خالص حقها....و انما یطالب الولی بالتزویج کیلا تنسب الی ابو قاحة ثم فی ظاهر الروایة لا فرق بین الکفء و غیر الکفء ولکن للولی الا عتراض فی غیر الکفء"(۱۲)

"آزاد عاقلہ و بالغہ لڑکی کا نکاح اس کی رضامندی سے منعقد ہوجاتا ہے اگرچہ اس کے ولی (یعنی سرپرست) نے اس کا عقد نہ کرایا ہو خواہ لڑکی کنواری ہو یا شوہر دیدہ۔ ظاہر الروایۃ میں یہ حکم امام ابوحنیفہ وابو یوسفؒ کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسفؒ سے ایک یہ روایت بھی منقول ہے کہ ولی کے بغیر نکاح منعقد نہ ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک (ولی کی اجازت پر) موقوف منعقد ہوگا۔ امام مالکؒ وشافعیؒ فرماتے ہیں کہ عورتوں کے بیان سے نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا۔ کیونکہ نکاح سے کچھ مقاصد مراد ہوتے ہیں اور یہ معاملہ عورتوں کو سپرد کرنے سے مقاصد میں خلل واقع ہوگا مگر امام محمد فرماتے ہیں کہ ولی کی اجازت سے یہ خلل دور ہوجائے گا (اور نکاح منعقد ہوجائے گا) ولی کے بغیر نکاح جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لڑکی نے خالص اپنے حق میں تصرف کیا ہے.... لیکن پھر بھی ولی یعنی سرپرست سے شادی کرانے (اور بیچ میں پڑنے) کا مطالبہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ لڑکی کو بے حیائی وبے شرمی کی طرف منسوب نہ کیا جائے (کیونکہ عرف عام میں اگر لڑکی خود شادی کا معاملہ

طے کرے تو وہ بے حیا سمجھی جاتی ہے۔ ظاہر الروایۃ کے مطابق لڑکی ولی کے بغیر اپنے ہم پلہ میں شادی کرے یا غیر ہم پلہ میں، اس حکم میں کوئی فرق نہیں ہے (کہ نکاح منعقد ہوجائے گا) لیکن غیر ہم پلہ سے شادی کرنے کی صورت میں ولی اعتراض کرسکتا ہے"۔

ولی کو حق فسخ

اگر بالغہ لڑکی غیر کفو میں نکاح کرے یا مہر مثل سے کم پر نکاح کرے، جب تک وہ صاحب اولاد نہ ہو جائے، ولی اس نکاح کے خلاف عدالت میں استغاثہ کرسکتا ہے اور قاضی اس بنیاد پر زوجین کے درمیان تفریق کرادے گا، ہدایہ میں ہے:

"إذا زوجت المرأة نفسها من غير كفو فللأولياء أن يفرقوا بينهما دفعا لضرر العار عن انفسهم" (۱۳)

"جب عورت غیر کفو میں اپنا نکاح کرے تو اولیاء کو ان دونوں کے درمیان تفریق کرانے کا اختیار ہوگا تاکہ اپنی ذات سے ضرر عار کو دفع کرسکیں"

حاصل کلام یہ کہ اگر عاقلہ بالغہ نے سرپرستوں کی اجازت کے بغیر غیر کفو سے اپنا نکاح کرلیا تو وہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا لیکن اگر لڑکی نے یہ نکاح کفو میں کیا ہو تو اس نکاح پر اولیاء کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ولی کو حق اعتراض صرف دو صورتوں میں حاصل ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ عاقلہ بالغہ نے ولی کے بغیر ایسے شخص سے نکاح کیا ہو جو اس کا ہم سر نہ ہو یا مہر مثل سے کم پر کیا ہو۔ دوسرا یہ کہ عاقلہ بالغہ اپنے ہم سر سے نکاح کرے لیکن مہر مثل سے کم پر کرے اگر شوہر نے اس نکاح سے اتفاق کیا تو نکاح منعقد ہوجائے گا، اور اگر اس پر رضامندی کا اظہار نہیں کیا تو اولیاء قاضی کے ذریعے اس نکاح کو فسخ کراسکتے ہیں۔ (۱۴)

صغرسنی کا نکاح اور خیار بلوغ

نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح اگر اولیاء کرائیں تو بالغ ہوجانے پر انہیں نکاح کو باقی رکھنے یا فسخ کرانے کا قانوناً حق حاصل ہے۔ یہ اختیار "خیار بلوغ" کہلاتا ہے۔ زیر ولایت نابالغہ لڑکی یا

لڑکے کا نکاح باپ دادا نے کیا ہو تو یہ نکاح شرعاً لازم قرار پائے گا، اور بلوغ کے بعد بھی لڑکے یا لڑکی کو خیار بلوغ حاصل نہیں ہوگا، وہ اپنا نکاح فسخ نہیں کراسکتے ہیں۔ چنانچہ ہدایہ میں اس کی صراحت یوں کی گئی ہے:

"فان زوجهما الأب والجد يعني الصغير والصغيرة فلا خيار لهما بعد بلوغهما لأنهما كاملا الرأى، وافر الشفقة، فيلزم العقد بمباشرتهما كما إذا باشراه برضاهما بعد البلوغ" (۱۵)

"باپ اور دادا نے صغیر یا صغیرہ کا نکاح کیا ہو تو بلوغ کے بعد بھی انہیں خیار بلوغ حاصل نہیں ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ دادا دونوں رائے اور عقل کے اعتبار سے پختہ اور کامل ہوتے ہیں، ان کی شفقت بھی پوری اور کامل ہوتی ہے، ان دونوں کا کیا ہوا نکاح اسی طرح لازم ہوگا جس طرح بالغ ہونے کی حالت میں خود اس کا کیا ہوا نکاح لازم ہوا ہے"۔

اگر باپ یا دادا نے زیر ولایت نابالغہ لڑکی یا لڑکے کے نکاح میں حماقت کا مظاہرہ کیا ہو یا طمع و لالچ کی وجہ سے اپنے اختیار اور ولایت کا غلط استعمال کیا ہو تو پھر ان کا کیا ہوا نکاح منعقد نہ ہوگا جیسا کہ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے:

"حتى لو عرف من الأب سوء الاختيار لسفهه أو لطمعه لا يجوز عقده إجماعا" (۱۶)

"اگر باپ یا دادا سوء الاختیار ہوں اور یہ ثابت ہوجائے کہ زیر ولایت نابالغہ کے نکاح میں ان دونوں نے اپنی حماقت یا طمع و لالچ کے سبب اپنے اختیار اور ولایت کا غلط استعمال کیا ہو تو پھر ان کا کیا ہوا نکاح اجماعاً درست نہیں ہوگا"

الغرض صغیر اور صغیرہ پر باپ اور دادا کو ولایت اجبار حاصل ہے اس لیے ان کا کیا ہوا نکاح بلوغت کے بعد فسخ نہیں ہوگا یعنی انہیں خیار بلوغ نہیں ملے گا لیکن اگر باپ یا دادا لاپروائی یا فسق کی وجہ سے سوء اختیار میں مصروف ہوں اور نکاح غیر کفو یا مہر مثل میں نہ ہوا ہو تو نکاح جائز

ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک اگر غیر کفو میں یا غبن فاحش کے ساتھ عقد کیا ہو تو نکاح مطلقاً منعقد نہ ہوگا اس سلسلے میں امام مالکؒ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ صغیرہ کے نکاح کا حق صرف اس کے باپ کو حاصل ہے، دادا کو حاصل نہیں ہے جبکہ امام شافعیؒ کے خیال میں باپ اور دادا دونوں کو حاصل ہے دوسرے اولیاء کو حاصل نہیں ہے۔(۱۷)

احناف کے نزدیک باپ اور دادا کے سوا دیگر اولیاء کو بھی صغیر یا صغیرہ کے نکاح کا حق حاصل ہے۔ دیگر اولیاء کے کیے ہوئے نکاح میں صغیر یا صغیرہ کو بعد از بلوغ خیار بلوغ حاصل ہوگا یعنی وہ عدالت کے ذریعے اپنا نکاح فسخ کرواسکتے ہیں۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

"و اذا بلغ الصغیر أو الصغیرة وقد زوجهما الأب أو الجدلا خیار لهما، و لهما خیار البلوغ فی نکاح غیر الأب والجد عند ابی حنیفة و محمد، وقال ابو یوسف: لا خیار لهما"(۱۸)

"جب صغیر یا صغیرہ بالغ ہوجائیں اور ان کا نکاح باپ یا دادا نے کیا ہو تو انہیں خیار بلوغ حاصل نہیں ہے لیکن اگر باپ اور دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے نکاح کیا ہو تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک انہیں خیار بلوغ حاصل ہے اور امام ابو یوسف کے خیال میں انہیں خیار بلوغ کا حق نہیں ہے"۔

واضح رہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک باپ دادا کے سوا دیگر اولیاء کو بھی نابالغ پر "ولایتِ اجبار" حاصل ہے۔

ولی ابعد کا کیا ہوا نکاح

ولی اقرب یعنی قریب تر ولی موجود ہو اور اس کی رائے لینا آسان ہو اور اس کے اندر اہلیت ولایت بھی پائی جاتی ہو، ایسی صورت میں اگر ولی ابعد نے نکاح کر دیا تو یہ نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا اور اس کے اندر (ولی اقرب) اہلیت نہ ہو تو ولی ابعد کا کیا ہوا نکاح درست قرار پائے گا جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"وإن زوج الصغیر أو الصغیرة أبعد الأولیاء فإن کان الأقرب حاضرا أو هو من أهل الولایة توقف نکاح الأبعد علی إجازته"(۱۹)

اور اگر دور کے سرپرست نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کریں پس اگر قریب تر ولی موجود ہو اور اس میں اہلیت بھی ہو تو یہ نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہے۔

نابالغہ لڑکی کا نفقہ

سوال یہ ہے کہ صغرسنی کی صورت میں بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمے ہے یا نہیں؟ اگر بیوی بالغہ ہو اور شوہر نابالغ ہو تو نفقے کا کیا حکم ہے؟ یہ مسئلہ ائمہ کرام کے درمیان متنازعہ فیہ ہے۔ چنانچہ اس کی وضاحت صاحب ہدایہ نے یوں کی ہے:

"و ان کانت صغیرة لا یستمتع بها فلا نفقة بها لان الامتناع الا ستمتاع لمعنی فیها والاحتباس الموجب ما یکون وسیلة الی مقصودٍ مستحقٍ بالنکاح ولم یوجد بخلاف المریضة علی ما نبین وقال الشافعیؒ لها النفقة لانها عوض عن الملک عنده کما فی المملوکة بملک الیمین ولنا ان المهر عوض عن الملک ولا یجتمع العوضات عن معوض واحدٍ فلها المهر دون النفقة"۔(۲۰)

"اگر عورت نابالغہ ہو اور اتنی کم سن کہ اس سے تمتع نہ کیا جاسکے تو مرد پر اس کا نفقہ واجب نہ ہوگا کیونکہ مجامعت کا ممنوع ہونا ایک ایسی علت ہے جو عورت میں پائی جاتی ہے اور نفقہ اس احتباس سے واجب ہوا کرتا ہے جو نکاح کے مطلوب تک رسائی کا ذریعہ ہو۔ مگر یہ احتباس اس قسم کا نہیں ہے لہٰذا (نفقہ) واجب نہ ہوگا۔

امام شافعی فرماتے ہیں: صغیرہ عورت کے لیے بھی نفقہ ضروری ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک یہ شوہر کی ملک کا عوض ہوتا ہے جیسا کہ مملوکہ عورت کا نفقہ مالک کے ذمہ ہوتا ہے ہمارے نزدیک مہر ملک کا عوض ہوتا ہے اور ایک ہی چیز کے دو عوض اکٹھے نہ ہوں گے۔ اس لیے صغیرہ مہر کی حق دار ہوگی، نفقہ کی نہیں"۔

اگر شوہر کم سنی کے سبب مباشرت پر قدرت نہ رکھتا ہو، مگر اس کی زوجہ اس سے عمر میں بڑی ہو تو اس کی بیوی کو نفقہ ملے گا۔ ہدایہ میں ہے:

''ان کان الزوج صغیر الایقدر علی الوطی وھی کبیرۃ فلھا النفقۃ من مالہ لان التسلیم تحقق منھا وانما العجز من قبلہ فصار کالمجبوب والعنین''(۲۱)

''اور اگر شوہر اتنا کم سن ہو کہ وطی پر قدرت نہ رکھتا ہو، مگر بیوی اس سے عمر میں بڑی ہو تو اس سے خاوند کے مال سے نفقہ ملے گا۔ کیونکہ عورت کی طرف سے اپنے آپ کو سپرد کرنا ثابت ہو چکا ہے اور معذوری تو شوہر کی طرف سے ہے اس لیے وہ عنین یا مجبوب کی طرح تصور ہوگا۔ (یعنی جس طرح ان پر اپنی بیویوں کا نفقہ واجب ہوتا ہے اس پر بھی ہوگا)''۔

حد البلوغ

اگرچہ حد بلوغ سے متعلق فقہاء کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے تاہم جمہور کے نزدیک پندرہ سال کی تکمیل پر لڑکا اور لڑکی دونوں بالغ متصور ہوں گے۔ فقہاء کے نزدیک بلوغت کی پہچان اس کی طبعی علامتوں کے ظہور سے ہوتی ہے اس کے لیے کسی متعین عمر کی قید نہیں مثلاً لڑکے میں اس کی علامت احتلام، انزال وغیرہ ہے، اور لڑکی میں حیض یا حمل اور اگر لڑکے یا لڑکی میں بلوغت کے آثار بر وقت ظاہر نہ ہوں تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک لڑکے کو اٹھارہ سال کی عمر میں بالغ تصور کیا جائے اور لڑکی کی سترہ سال کی عمر ہو جانے پر بالغہ شمار ہوگی جبکہ صاحبین اور جمہور کے خیال میں پندرہ سال ہو جانے پر مرد اور عورت دونوں پر بلوغ کا حکم لگا دیا جائے گا، اسی پر احناف کا فتویٰ ہے۔ (۲۲)

نتیجہ بحث

مسلم عائلی قوانین مجریہ ۱۹۶۱ء کی دفعہ ۱۲ قرآن و سنت کے نصوص اور فقہ اسلامی کے اصول و قواعد سے متصادم ہے کیونکہ شریعت اسلامیہ میں نکاح کے لیے کسی متعین عمر کی قید نہیں ہے

جبکہ دفعہ ہذا میں نکاح کے لیے نہ صرف بلوغت شرط ہے بلکہ بلوغت کے بعد بھی ایک خاص عرصے تک نکاح پر قانوناً پابندی ہے۔ جبکہ شریعت اسلامیہ کی رو سے صغیر اور صغیرہ کا نکاح اور رخصتی دونوں جائز ہیں۔ البتہ اگر شوہر کی جانب سے شادی کی صورت میں نابالغہ منکوحہ کو ضرر پہنچنے کا خدشہ ہو تو اس نقصان سے بچنے کی غرض سے مناسب حفاظتی تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں۔ پس مذکورہ دفعہ (۱۲) ترمیم طلب ہے۔

حوالہ جات

۱۔ النساء/۲۴

۲۔ الجرجاوی، علی احمد، التشریع وفلسفتہ، ۲/ ۸، جمعیۃ الازہر، قاہرہ، مصر، ۱۳۸۱ھ

۳۔ الطلاق/۴

۴۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب تزویج الأب ابنتہ من الامام، ۱/ ۷۷۱

۵۔ مسلم، ابوالحسین، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب جواز تزویج الأب البکر الصغیرۃ، ۱/ ۴۵۶

۶۔ السید سابق، فقہ السنہ، ۲/ ۱۳۰، دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان، ۱۴۰۵ھ

۷۔ المرغینانی، ۲/ ۳۱۶، علی بن أبی بکر، مصطفی الحلبی،

۸۔ جصاص، ابومحمد احمد بن علی الرازی، احکام القرآن، ۲/ ۶۲، مطبعۃ الاوقاف الاسلامیہ،

۹۔ ایضاً، ۲/ ۶۴

۱۰۔ ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد بن محمد، المغنی، ۶/ ۴۸۹، مصر، ۱۳۶۷ھ

۱۱۔ الکاسانی، ابوبکر بن مسعود، بدائع الصنائع، ۲/ ۲۴۰، ۱۳۲۷ھ

☆ السرخسی، محمد بن احمد بن ابی سہل، ۴/ ۲۱۳، مصر، ت ن

۱۲۔ المرغینانی، علی بن ابی بکر، الھدایۃ، ۲/ ۳۱۳-۳۱۴

۱۳۔ ایضاً، ۲/ ۳۲۰ ۱۴۔ السید سابق، فقہ السنۃ، ۲/ ۱۱۳

۱۵۔ المرغینانی، ہدایہ، ۲/ ۳۱۷؛ فتاویٰ ہندیہ، ۱/ ۲۸۵؛ درمختار، ۲/ ۳۰۴

۱۶۔ ابن عابدین شامی، ردالمختار، ۲/ ۳۰۴، بیروت، داراحیاء التراث العربی، ت ن

۱۷۔ ابن رشد، محمد بن احمد بن محمد القرطبی، بدایۃ المجتہد، ۲/ ۸، مصر ۱۹۶۹ء،

۱۸۔ فتاویٰ قاضی خان، ۱/ ۱۶۴، م ن، ت ن،

۱۹۔ علماء کی ایک جماعت، فتاویٰ ہندیہ، طبع دوم، ۱/ ۲۸۵، بولاق، ۱۳۱۰ھ

۲۰۔ المرغینانی، علی بن ابی بکر، ہدایہ، ۲/ ۴۳۸

۲۱۔ ایضاً ۲۲۔ ایضاً، ۳/ ۳۵۷-۳۵۸

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سزائے ارتداد ___ مختلف نقطہ ہائے نظر کا تحقیقی جائزہ

ضیاء الرحمٰن

ارتداد (باب افتعال) سے اسم فاعل مرتد اور اس کا مادہ ''ردّ'' ہے۔ ارتداد کے لغوی معنی لوٹ جانے اور پھر جانے کے ہیں، مگر اصطلاحِ شریعت میں ارتداد کا مطلب دین اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کر لینا ہے۔

چنانچہ امام راغب لکھتے ہیں:

''والإرتداد والردۃ: الرجوع فی الطریق الذی جاء منہ لکن الردہ تختص بالکفر والإرتداد یُستعمل فیہ و غیرہ. قال ان الذین ارتدو علی ادبارھم، وقال یا یھا الذین امنوا من یرتد منکم عنہ دینہ، و ھو الرجوع من الإسلام إلی الکفر''(۱)

''یعنی ارتداد اور ردّہ، دونوں سے مراد لوٹ جانا ہے اس راستے سے جس راستے سے آیا ہو۔ لیکن ردّہ کفر کے ساتھ مخصوص ہے جبکہ ارتداد کفر کے علاوہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''وہ لوگ جو اپنی پیٹھوں کی طرف مڑ گئے'' اور اس آیت ''اے ایمان والو! تم میں سے جو اپنے دین سے مرتد ہو گیا'' میں اسلام سے کفر کی طرف لوٹنا مراد ہے''

ارتداد کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں جس سے کسی شخص (Individual) کے دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا پتہ چلایا جا سکتا ہے۔ فقہاء نے اس کی کافی تفصیلات ذکر کی ہیں۔ مختصراً ان کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ

''مرتد اس شخص کو کہا جاتا ہے جو پورے اسلام یا اس کے کسی اساسی رکن کو ترک کر کے اور دین سے برگشتہ ہو کر کفر اختیار کر لے، خواہ اس کی کوئی بھی شکل ہو، حرام چیز کو حلال سمجھنے والا، آپ ﷺ پر بہتان لگانے والا، نبوت کا دعویٰ کرنے والا یا مدعی نبوت کی تصدیق کرنے والا،